



”داؤد گوژپشت“ اور ”نوٹرے ڈیم ڈی پیرس“ میں قنوطیت اور معاشرتی جبر کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of the Elements of Social
Oppression and Pessimism in “Dawood Guz
Pusht” and “Notre Dame de Paris”

ڈاکٹر محمد سفیر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Dr. Muhammad Safeer Email: msafeer@numl.edu.pk

Assistant Professor, Department of Persian, National
University of Modern Languages, Islam Abad

ڈاکٹر عامر ظہیر، لیکچرار، شعبہ فرانسیسی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Dr. Aamir Zaheer Email: azaheer@numl.edu.pk

Lecturer, Department of French, National University of
Modern Languages, Islam Abad

ڈاکٹر روبینہ یاسمین، جزیقی لیکچرار، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Robina Yasmin Email: missrubinayasmin@yahoo.com

Visiting Lecturer, Department of Urdu, G C Women
University, Faisal Abad

Received:12-2-2022 **Accepted:**4-5-2022 **Online:**28-6-2022

Abstract:

This article is a comparative study of two literary works; “Dawood Guz Pusht” written in Persian language by an Iranian fiction writer named Sadiq Hidayat and a French novel titled “Notre Dame de Paris” by a famous French writer Victor Hugo. In these two literary works, we found a hunch-back as the main character which is victim of social oppression, contempt, hatred, inhuman behavior, and ruthless society. This paper is an attempt to present a comparative overview of the main characters in these two

literary works; Quasimodo in French and Dawood Guz Pusht in Persian. The paper also emphasizes the influence of French literature on Persian, which is most profound in the twentieth century. The beginning of modern literature in Iran was generally considered to be the Constitutional Revolution (1905) or precisely the period when Iranian literature, due to the influence and fusion of western literature and culture, moved away from the traditional style and adapted to the new world. Thus, new genres namely novels, short stories, plays and poems, appeared around 1921. The departure of Iranian students to study in France and the establishment of Madrasa Dar al-Fanoon at Tehran are the main reasons of French influence in Iran.

Keywords: Dawood Guz Pusht, Notre Dame de Paris, Persian, French, Literature

کلیدی الفاظ: داؤد گوژپشت، نوٹرے ڈیم ڈی پیرس، فارسی، فرانسیسی، ادب

”داؤد گوژپشت“ ایرانی ادیب ”صادق ہدایت“ کا فارسی میں تحریر کردہ افسانہ ہے جبکہ ”نوٹرے ڈیم ڈی پیرس“ فرانسیسی مصنف ”وکتھو گو“ کا فرانسیسی ناول ہے۔ ان دونوں ادب پاروں میں مرکزی کردار ایک کبڑے عاشق کا ہے۔ فارسی اور فرانسیسی دونوں ادب پاروں میں یہ کردار معاشرتی جبر، حقارت، نفرت، غیر انسانی رویے، بے رحم معاشرے کا شکار نظر آتے ہیں اور دونوں ادیبوں نے اپنے اپنے کردار کو یاسیت، قنوطیت اور اجتماعی جبر سے متاثر دکھایا ہے۔ اس مقالے میں ان دونوں ادیبوں کے گھڑے ہوئے کرداروں میں پائی جانے والی قنوطیت اور معاشرتی جبر کا ایک تقابلی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایران میں افسانے کا رواج بھی ناول اور ڈرامہ کی طرح مشہور فرانسیسی ادیب الفونس دودے (Alphonse Daudet) اور موپاساں (Guy de Maupassant) کے افسانوں کے تراجم سے ہوا۔ بعد ازاں دیگر فرانسیسی اور یورپی مصنفین کے تراجم بھی عام ہو گئے۔ اسی ضمن میں تہران میں خاور انسٹیٹیوٹ میں غیر ملکی افسانوں کی ترویج و اشاعت کے لیے افسانہ کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری ہوا۔ ایران میں افسانہ نویسی کا بانی محمد علی جمالزادہ (۱۸۹۷-۱۸۹۲) ہے۔ اس نے ۱۹۲۱ء میں اپنی چھ کہانیوں کا مجموعہ ”یکی بود یکی نبود“ کے نام سے برلن سے شائع کیا۔ دوسرے سب سے بڑے نامور افسانہ نویس صادق ہدایت ہیں جن کی

کہانیوں کے چار مجموعے اور پانچ افسانے یا ناولٹ الگ الگ کتابوں کی صورت میں شائع ہوئے جن کے نام یہ ہیں: زندہ بگور (۱۹۳۰ء)، سہ قطرہ خون، (۱۹۳۲ء)، سایہ روشن، (۱۹۳۳ء)، سگ و لگد (۱۹۴۲ء) (۱)

صادق ہدایت ایک معتبر اور ادیب گھرانے میں پیدا ہوا، اس نے اپنی تعلیم ۱۹۱۶ء میں دارالفنون کے فرانسیسی سکول (سن لوئی) تہران سے مکمل کی۔ ۱۹۲۵ء میں ایک محصلین کے ایک گروپ کے ساتھ طالب علم کی حیثیت سے یورپ کے شہر سیلجم روانہ ہوا اور وہاں کی ایک بڑی یونیورسٹی میں انجینئرنگ میں داخلہ لیا لیکن وہاں زیادہ دیر قیام نہ کر سکا۔ ایک سال بعد ایک اور طلباء کے گروپ کے ساتھ فن تعمیر پڑھنے کی غرض سے فرانس کے شہر پیرس روانہ ہو گیا۔ چار سال پیرس میں قیام کیا اور یہ مدت زیادہ تر سیر و تفریح میں بسر کی۔ (۲)

۱۹۳۰ء میں اپنی پڑھائی مکمل کئے بغیر ایران واپس لوٹا۔ سب سے پہلے ایران میں نیشنل بینک میں نوکری شروع کی۔ ۱۹۳۶ء میں ہندوستان روانہ ہو گیا۔ وہاں پہلوی زبان سیکھی اور مشہور ناول بوف کور (اندھا لو) کو اسی سفر میں مکمل کر کے شائع کیا۔ ناول بوف کور جو بعد میں ایران میں بہت مشہور ہوا، درحقیقت ہدایت کا یہ شاہکار مشہور فارسی افسانوں میں سے ایک ہے، جو دنیا کی کئی زندہ زبانوں میں ترجمہ ہو کر شہرت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ ایرانی مصنفین نے صادق ہدایت کے اس کام کو بہت سراہا اور اس کے اسلوب پر متعدد تصانیف لکھیں جسے "بوف کور" ادب کہا جاتا ہے۔ (۳)

فرانس میں گزرا چار سالہ دور اس کی شخصیت میں بہت زیادہ شکوفائی لایا کیونکہ وہ فن تعمیر کے ساتھ تحریر و نگارش، ہنر اور فلسفہ میں دلچسپی رکھنے کے باعث اپنا زیادہ وقت ان علوم کے حصول کے لیے صرف کیا جس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں ایک واضح نکھار آیا۔ (۴) ہدایت تحریر و نگارش کے علاوہ نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ہدایت کے والد نے کئی مرتبہ اسے نصیحت کی کہ وہ نقاشی کو اپنا ذریعہ معاش بنائے کیونکہ نگارش اور ادبی تحریروں سے اس کے آباؤ اجداد کو کوئی سکہ نہیں ملا۔ (۵)

صادق ہدایت نے اپنی پوری زندگی مغربی ادب کے مطالعہ اور ایرانی تاریخ اور لوک داستانوں کو سیکھنے اور تحقیق کرنے کے لیے وقف کر دی۔ وکٹر ہیوگو، ریمارکس، ایڈگر ایلن پو، فرانز کاؤکا، اینٹون چیخوف، اور گائے ڈی موپساں کے کاموں نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اپنی مختصر ادبی زندگی کے دوران، ہدایت نے کافی تعداد میں مختصر کہانیاں اور ناولٹ، دو تاریخی ڈرامے، ایک ڈرامہ، ایک سفر نامہ، اور طنزیہ پیروڈیز اور خاکوں کا مجموعہ شائع کیا۔ وہ فرانسیسی ادب پر گہری نگاہ رکھتا تھا اسی لیے اس کے افسانوں میں فرانسیسی ادب کے اثرات نمایاں ہیں: کہتے ہیں: "ہدایت جرمنی سے نفرت کرتا تھا، انگلستان سے بیزار اور امریکہ کو غیر متمدن ملک شمار کرتا تھا لیکن فرانس سے محبت کرتا تھا۔ عاقبت کار اسی سرزمین میں سپرد خاک ہوا"۔ (۶)

ہدایت کے افسانوں پر وکٹر ہیوگو کے بہت گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ ہدایت کا افسانہ داؤد گوژ پشت (کبڑا داؤد) دراصل وکٹر ہیوگو کے معروف ناول نوٹری ڈیم جس کو فکشن ہاؤس لاہور نے "کبڑا عاشق" کے نام سے ترجمہ کیا کی تقلید میں لکھا گیا ہے۔ ان دونوں ادب پاروں میں معاشرتی قنوطیت اور معاشرتی جبر کے عناصر کرداروں اور داستانوں میں جابجا نظر آتے ہیں۔ صادق ہدایت نے اپنے تمام ناولوں اور افسانوں میں معاشرے میں محروم طبقے کی محرومیوں اور معاشرے کی بد صورتی اور نا انصافیوں کو بیان کیا ہے۔ وہ حقیقت پسندی ادب کا علمبردار ہے اور حقیقت پسندی ہدایت کی تصانیف میں جابجا آشکار ہے۔ لیکن ہدایت کے افسانوں میں رومانیت کی طرف میلان صرف اس کے کرداروں کی حد تک محدود نظر آتا ہے۔ (۷) "زندہ بگور" اور "بوف کور" میں بھی دبے اور پسے ہوئے طبقے کے لوگوں کی مشکلات کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کر کے اس نام نہاد ترقی پسند معاشرے میں معاشرتی جبر اور ظلم و ستم کی نشان دہی کرتا ہے۔ صادق ہدایت کے افسانوں میں معاشرتی جبر اور قنوطیت کے عناصر اس لیے پائے جاتے ہیں کیوں کہ وہ ایسے بد تہذیب معاشرے سے اس لیے نفرت کرتا ہے کیونکہ اس میں محروم اور پسے ہوئے طبقے سے ناروا سلوک کیا جاتا ہے اور ان کو ظلم و ستم، قنوطیت اور اجتماعی جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ نوع بشر سے بہت بے حد محبت کرتا تھا لیکن اسے بے عیب نہیں دیکھتا تھا اس لیے وہ آدم ذات سے متنفر تھا۔ (۸)

ہدایت ایسے زمانے میں جہالت کی تاریکی اور فریب دہی سے جنگ کرنا اپنا فرض عین سمجھتا ہے اسی لئے اس کے افسانوں میں وحشت کا عنصر نمایاں ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دینا خیانت گردانتا ہے۔ (۹) اس نے ہرگز ظلم و جبر کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا اور شجاعت و بہادری سے استبداد کے خلاف لکھا اور سراپا احتجاج رہا۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے جس کو موت نہیں ڈراسکی کوئی شخص یا حکومت اسے کیا ہراساں کر سکتی تھی۔ (۱۰)

ہدایت واپسین عمر میں عجیب بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا وہ گمان کرتا تھا کہ سب مل کر اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور اسے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی برا بھلا کہتا (۱۱)۔ ہدایت نے اپنی تمام زندگی تنہائی میں بسر کی اور شادی نہیں کی۔ کسی سے اس کی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوئی اور وہ نفاق و ریا سے بھرپور معاشرے کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ آخر کار اسی تنہائی اور مجردی میں پیرس میں خودکشی کر لی۔ (۱۲)

ہدایت لسانیات اور ثقافت میں گہرا مطالعہ رکھتا تھا، خوبصورت کہانیوں اور ادبی تحریروں کے علاوہ اس نے یورپی زبانوں میں تحقیق کی اور ان زبانوں کے مشہور ادب پاروں کو فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس نے فرانسیسی زبان اچھی طرح سیکھی تھی اور اس میں اتنی روانی اور مہارت تھی کہ وہ فرانسیسی ادب کی تہ سے بھی ایک مشہور اور یادگار کام کو تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لہذا فرانسیسی زبان کے ذریعے اس نے دنیا کے علم و ادب اور ثقافت مطالعہ کیا اور اپنے ملک کے لیے قابل قدر اور لائق حسین کام میراث کے طور پر اپنے پیچھے یادگار چھوڑا۔ (۱۳)

ہدایت نے یقیناً وکٹر ہیوگو اور کافکا کے ناولوں کا بخوبی مطالعہ کیا اسی لیے ہدایت کے کاموں پر ان دونوں فرانسیسی ادیبوں کے بہت گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ لیکن ہدایت کا مذکورہ بالا مشہور افسانوی مجموعے زندہ بگور کا مشہور افسانہ "داود گوژپشت" (کبڑا داؤد) وکٹر ہیوگو کے ناول Notre Dame de Paris "کبڑا عاشق" کی تقلید میں لکھا گیا۔

وکٹر ہیوگو (Victor Hugo) ایک فرانسیسی شاعر اور ادیب تھے۔ وہ ۱۸۰۲ء میں فرانس کے شہر بزانسوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نیپولین کی فوج میں جزل تھے چنانچہ اپنے

ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ہمراہ وکٹر ہیوگو نے اپنا بچپن مختلف شہروں میں گزارا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ اٹلی اور سپین میں بھی رہے اور بالآخر پیرس میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کی شادی Adèle Foucher نامی خاتون سے ہوئی۔ (۱۴)

وکٹر ہیوگو نے ۱۸۲۲ء سے لے کر ۱۸۲۸ء کے درمیان Odes et Ballades تصنیف کیں۔ جس میں انہوں نے کلاسیکیت اور رومانوی تحریک کے مابین ثالث کا کردار ادا کیا۔ وہ ۱۸۲۷ء میں اپنی تصنیف Préface de Gromwell سے ایک نظریہ دان کے طور پر ابھرے۔ ۱۸۲۹ء میں انہوں نے اپنی کتاب Orientales کے دیباچے میں معروف ادبی جنگ کی توجیہ کے طور پر فن کے اندر آزادی کا بھرپور دفاع کیا۔ ۱۸۲۹ء میں ان کے ناول Le Dernier Jour d'un Condamné (ملزم کا آخری دن) میں معاشرتی اور بشری تفکر کا اظہار ملتا ہے۔ ۱۸۳۰ء میں Hernani میں ہمیں۔ (۱۵)

وکٹر ہیوگو کے مسلسل ادبی، سیاسی اور اخلاقی غور و فکر کے نتیجے میں چار شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔ جن میں انہوں نے کلیت (Totality) کی شاعری کی شدید خواہش کو پیش کیا ہے۔ پہلا مجموعہ Les feuilles d'automne (خزاں کے پتے) کے نام سے ۱۸۳۱ء میں شائع ہوا۔ اسی سال وکٹر ہیوگو کا ناول Notre Dame de Paris شائع ہوا جس کا تعارف اس مضمون کے اگلے حصے میں تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔ پھر ۱۸۳۵ء میں دوسرا شعری مجموعہ Les chants du crépuscule (شفق کے گیت) کے نام سے شائع ہوا۔ تیسرا مجموعہ ۱۸۳۷ء میں Les voix intérieures (اندرونی صدائیں) کے نام سے منظر عام پر آیا۔ ان کا چوتھا شعری مجموعہ ۱۸۴۰ء میں Les Rayons et les Ombres (کرنیں اور سائے) سانسے آیا۔ (۱۶)

وکٹر ہیوگو نے متعدد فرانسیسی ڈرامے بھی لکھے۔ جن میں ۱۸۳۱ء میں Marion Delorme، ۱۸۳۳ء میں Lucrèce Borgia اور ۱۸۳۸ء میں Ruy Blas منظر عام پر آئے۔ ۱۸۴۳ء میں انہیں اپنے ایک ڈرامے Burgraves کی ناکامی کا سامنا ہوا۔ اسی سال اپنی بیٹی Léopoldine کی ناگہانی موت واقع ہو جانے کے سبب وکٹر ہیوگو نے خالص ادبی

تخلیقات کی بجائے سیاسی سرگرمیوں کا رخ کیا۔ چنانچہ وہ لبرل جمہوریت کا علمبردار بن گیا۔ (۱۷)

۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو فرانس میں حکومت کا تختہ پلٹنے کے بعد اسے جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ اس دوران اس نے ۱۸۵۳ء میں نپولین سوئم کے خلاف طنزیہ تحریروں کا مجموعہ شائع کروایا۔ اس کتاب کا نام Les Châtiments (سزائیں) ہے۔ ۱۸۵۶ء میں اس کی کتابیں Les Mémoires d'une âme (ایک روح کی یادداشتیں) اور Contemplations (تفکرات) سامنے آئیں۔ ۱۸۵۹ء سے ۱۸۸۳ء تک La légende des siècles (صدیوں کا افسانہ) کے نام سے خیر و شر کے درمیان جنگ کی منظر کشی سامنے آئی۔ (۱۸)

۱۸۶۲ء میں وکٹر ہیوگو کا ناول Les Misérables (بدبخت) شائع ہوا۔ اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسانی رزمیہ نے ناول کی شکل اختیار کی ہے۔ اس کے بعد ایک اور ناول Les Travailleurs de la mer (سمندری کارکن) ۱۸۶۶ء میں چھپا۔ ۱۸۶۹ء میں L'Homme qui rit (ہنستا ہوا آدمی) اور ۱۸۷۴ء میں Quatrevingt-treize (ترانوے) چھپے۔ وکٹر ہیوگو ۱۸۷۰ء میں جلاوطنی کاٹ کر واپس وطن پہنچے۔ ۱۸۷۲ء میں انہوں نے ایک اور شعری مجموعے L'Année terrible (وحشت ناک سال) میں پیرس شہر اور وہاں کے نظام کے بارے میں لکھا۔ ان کی وفات ۱۸۸۵ء میں پیرس میں ہوئی۔ (۲۹)

وکٹر ہیوگو نے ۱۸۳۱ء میں ناول (کبڑا عاشق) Notre Dame de Paris تحریر کیا۔ (۲۰) اس ناول کا عنوان پیرس شہر کے ایک مشہور گر جاگھر Notre Dame کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ رومی کیتھولک گر جاگھر بارہویں صدی عیسوی میں پیرس کے وسط میں سیکٹر فور میں تعمیر ہوا تھا۔ کیتھیدرل کی سرکاری ویب گاہ پر دی گئی معلومات کے مطابق اس کا سنگ بنیاد ۱۱۶۳ء میں رکھا گیا تھا۔ (۲۱)

وکٹر ہیوگو دراصل رومانوی ادب کا علمبردار ہے۔ موجودہ ناول میں رومانوی عناصر کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ بالخصوص معاشرے میں جبر، استتصال،

نفرت، حقارت اور بے رحمی جیسے منفی انسانی رویوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ یہ ناول محبت کی المیہ داستان کو بیان کرتا ہے۔ ناول نگار وکٹر ہیوگو نے باطل پر حق کی فتح کو دکھایا ہے۔ اس میں محبت کے خلوص کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا ایک بڑا حصہ گرجا گھر کی حفاظت کی پر زور حمایت پر مشتمل ہے جو کہاں گوتھک فن تعمیر کی چمک دمک اور شان و شوکت کی وجہ سے سولویں صدی میں تنقید اور اعتراضات کا نشانہ بنا رہا۔ اس ناول میں وکٹر ہیوگو نے عالیشان مذہبی عمارت کو زیادہ رومانی اور لاثانی انداز سے پیش کیا ہے۔ (۲۲)

اس ناول کا ایک اردو ترجمہ ہمیں مارکیٹ میں ملا ہے جس کا عنوان ”کبڑا عاشق“ ہے۔ اس ترجمے کو فلشن ہاؤس لاہور کی جانب سے ۲۰۱۵ء میں شائع کیا گیا ہے (۲۳)۔ سرورق پر وکٹر ہیوگو کا نام تو دیا گیا ہے مگر کتاب میں کہیں بھی مترجم کا نام موجود نہیں۔ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ فرانسیسی ناول کا خلاصہ معلوم ہوتی ہے۔ ناول کے کرداروں کے ناموں کو اصل متن کے تلفظ سے بہت ہٹ کر لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی ناول کے مرکزی کردار Quasimodo کو ’کازی مودو‘ کی بجائے ’قاسمیڈو‘ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح چپسی لڑکی La Esmeralda کو ’لا ایمرالڈا‘ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اپنے اس مضمون میں ہم اردو ترجمہ کی بجائے اصل فرانسیسی متن سے استفادہ کر رہے ہیں۔

یہ ناول بھی رومانوی انداز میں شروع ہوتا ہے۔ اس ناول کی کہانی فرانس کے دار الحکومت پیرس میں ۶ جنوری ۱۴۸۲ء سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں پیرس کے مشہور گرجا گھر Notre Dame اور دربارِ معجزات Le Cour des Miracles کو دکھایا گیا ہے۔ کہانی کے مرکزی کرداروں میں Quasimodo کا کردار بہت بد شکل، بھدا اور بدنما ہے۔ معاشرے کی نظر میں اس کی حیثیت ایک قبیح کی ہے۔ یہ کردار ایک بے مثال حسن کی ملکہ خانہ بدوش لڑکی Esmeralda کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہوتا کچھ یوں ہے کہ Quasimodo پادری کے کہنے پر خانہ بدوش لڑکی کے اغوا کی کوشش میں سزا پاتا ہے۔ اسے ہزاروں انسانوں کے سامنے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور بالآخر دو گھنٹوں تک شکنجے میں کسارہنے

دیا جاتا ہے۔ اس دوران اسے سخت پیاس لگتی ہے۔ ہجوم میں سے کوئی بھی اسے پانی پلانے کو تیار نہیں۔ (۲۴)

”اچانک وہ دیکھتا ہے کہ خانہ بدوش لڑکی ہجوم کو چیرتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یقیناً یہ لڑکی اپنا انتقام پورا کرنے کے لیے اسے کوئی سزا دینے چلی آرہی ہے۔ مگر وہ لڑکی ایک لفظ کہے بغیر اس کے پاس پہنچی اور پانی کا مشکیزہ نکال کر اس کے خشک ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس کی آنکھ سے ایک بہت بڑا آنسو نکلا اور اس کے بدہیت چہرے پر بکھر گیا۔ شاید یہ پہلا آنسو تھا جو اس نے پوری زندگی میں بہایا تھا۔ وہ اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ساری تکلیف بھول گیا۔ اس لڑکی کی پاکیزگی، اس کا حسن، اس کی ہمدردی ایک ایسا مد او ابن گیا کہ وہ خوش ہو گیا۔“ (۲۵)

اس طرح وہ خانہ بدوش لڑکی سے دل ہی دل میں محبت کرنے لگا۔ اس جیسی لڑکی سے دوسرے کردار بھی محبت کرتے ہیں۔ گر جاگھر کا پادری Claude Frollo اس سے فلرٹ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے زیر اثر Quasimodo کو حکم دیتا ہے کہ وہ خانہ بدوش حسینہ کو پکڑ لے۔ یہ کوشش ناکام ہو جاتی ہے اور فوج کا ایک کپتان Phoebus رات کے اندھیرے میں اس لڑکی کی چیخ کی آواز سن کر گھوڑے پر سوار وہاں جا پہنچتا ہے اور لڑکی کو بچا لیتا ہے۔ چنانچہ لڑکی کو Phoebus سے محبت ہو جاتی ہے۔

ناول میں تجسس قائم رہتا ہے۔ ایک دفعہ Phoebus اس لڑکی سے ملنے جاتا ہے وہاں Claude Frollo کپتان کو خنجر گھونپ دیتا ہے۔ قتل کا الزام Esméralda پر عائد ہوتا ہے۔ عدالت اسے پھانسی کی سزا سناتی ہے مگر Quasimodo اس بچا کر گر جاگھر میں لے جاتا ہے۔ اس وقت کے قانون کے مطابق اگر کوئی گر جاگھر میں پناہ لے لے تو اسے سزا نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ Esméralda کچھ مدت گر جاگھر میں گزارتی ہے جہاں اس کی حفاظت Quasimodo بڑے احسن طریقے سے انجام دیتا ہے۔ بالآخر Esméralda پھر گرفتار ہو جاتی ہے جس کے بارے میں Quasimodo کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس طرح عدالت اسے پھانسی کی سزا سناتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کی لاش کو پیرس شہر سے باہر ایک پرانی عمارت میں پھینک دیا جاتا ہے۔ انہیں دنوں میں Quasimodo بھی شہر سے غائب ہو جاتا ہے۔

کچھ مہینوں بعد لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ جہاں Esméralda کی لاش کو پھینکا گیا تھا وہاں اس کی ہڈیوں کے ڈھانچے کے پہلو میں ایک مرد کی ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی ملتا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی کے ابھار کے باعث یہ گمان شک میں بدل جاتا ہے کہ یہ مردانہ ڈھانچہ Quasimodo کا ہی ہے جو چند مہینے پہلے اچانک شہر سے غائب ہو گیا تھا۔ یوں اس ناول کا اختتام بھی سرسری طور پر رومانوی انداز سے ہوتا ہے۔

فرانسیسی ناول میں رومانیت سے کہیں زیادہ قنوطیت اور معاشرتی جبر کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ کبڑے عاشق کا کردار سب سے اہم اور مرکزی کردار ہے۔ فرانسیسی میں اس کا نام Quasimodo ہے۔ ناول میں اس کردار کو دنیا کا سب سے بد صورت انسان دکھایا گیا ہے۔ ناول میں پہلی دفعہ اس کی بد صورتی کی تفصیل اس وقت دی گئی ہے جب چھ جنوری کو پیرس میں ’احمقوں کا جشن‘ منایا جا رہا تھا۔ یہ ایک خاص تقریب تھی جس میں عوام نے احمقوں کے شہنشاہ کا انتخاب کرنا تھا۔ ایک جلوس کی شکل میں احمقوں کے پوپ کو ایک خاص لباس پہنا کر اور ایک تخت پر بٹھا کر گلیوں میں گھمایا جا رہا تھا۔ احمقوں کے بادشاہ کے انتخاب کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ سب سے بد صورت اور بھدا ہو۔ جب لوگوں نے Quasimodo کو خاص لباس میں تخت پر بیٹھے دیکھا تو فوراً پہچان لیا۔ ناول میں اس کی بد صورتی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”۔۔۔ پھیلا ہوا ٹیڑھا ناک، گھوڑے کے نعل جیسا منہ، بایں آنکھ بالکل بند تھی جس پر سرخ بھنوں کی وجہ سے رکاوٹ بنی ہوئی تھی، داہنی آنکھ سو جی ہوئی، بے ترتیب دانت ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے جنگ کے بعد کسی قلعے کی چار دیواری کے برج ادھر ادھر اور ٹوٹے اور بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، موٹے موٹے ابھرے ہوئے کالے ہونٹ اور ان میں سے ایک بد نما دانت ایسے باہر نکلا ہوا تھا جیسے ہاتھی کا دانت ہو۔ کانٹے دار ٹھوڑی۔۔۔“ (۲۶)

اسی صفحے پر تھوڑا آگے چل کر اس کی بد صورتی کو مزید بیان کیا گیا ہے:

”سرخ رنگ کے بالوں سے بھرا ہوا بڑا سا سر، دونوں کندھوں کے درمیان ابھرا ہوا بڑا سا کب، جو دیکھنے والے کو سامنے سے بھی دکھائی دیتا تھا۔ اس کی ٹانگیں اور

رائیں اس قدر مڑی تڑی تھیں کہ وہ صرف گھٹنوں کو ہی چھو سکتا تھا۔ سامنے سے دیکھنے پر یوں دکھائی دیتا تھا جیسے یہ ٹانگیں نہیں بلکہ دو بڑی سی درانتیاں ہیں جنہیں ایک بینڈل کے ذریعے جوڑ دیا گیا ہے۔ چوڑے پاؤں، بھاری اور بڑے بڑے ہاتھ۔۔۔“ (۲۷)

جب اس کا تخت عوام کے سامنے نمودار ہوتا ہے تو لوگ اسے پہچانتے ہوئے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ناول نگار نے اس موقع پر مختلف کرداروں کے ذریعے بچے کی بد صورتی اور اس کے بارے میں عوام کے منفی بیانات کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ کوئی بھی اس بچے کو پالنے کے لیے تیار نہ تھا۔

”۔۔۔ اس ہجوم میں سب سے آگے وہ چار عورتیں تھیں جو اپنے لباسوں سے پہچانی جاتی تھیں کہ وہ راہبات ہیں۔ ان میں ایک راہبہ نے کہا۔ ”یہ کیسا بچہ ہے؟“ دوسری راہبہ نے کہا۔ ”یہ بچہ کہاں ہے؟ یہ تو بوزنا ہے۔“ تیسری راہبہ نے بولی۔ ”یہ جلا دینا چاہیے یا ڈبو دینا چاہیے۔۔۔۔۔“ مجمع میں سے ایک نے کہا۔ ”یہاں تو بچوں کو چھوڑ جانے کی اجازت ہے۔ درندوں کو نہیں۔ یہ بچہ کیسے لوگوں کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو گا۔“ (۲۸)

اسی اثنا میں گرے کا نوجوان پادری Claude Frolo نمودار ہوا اور بچے کو اٹھاتے ہوئے کہنے لگا کہ وہ اس بچے کی پرورش کرے گا۔ اس نے بچے کو اٹھایا اور گر جاگھر میں داخل ہو گیا۔ (۲۹) اس طرح پادری نے بد صورت اور بد ہیئت بچے کو سینے سے لگایا جسے پوری دنیا ٹھکرا چکی تھی۔ پادری نے بچے کو پستمر دیا اور اس کا نام Quasimodo رکھا۔ اس طرح یہ بد شکل بچہ گر جاگھر میں جوان ہوا۔ گرے کی گھنٹیاں بجانا اس کا فرض ٹھہرا۔ دنیا کے پاس اس کے لیے سوائے حقارت اور تضحیک کے اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ Quasimodo اور گر جاگھر کے درمیان ایک عجیب سارشتہ پیدا ہو گیا۔ نوجوان پادری Claude Frolo آہستہ آہستہ ترقی کر کے گرے کا سب سے بڑا پادری بن گیا۔ اس نے Quasimodo کو بولنا بھی سکھایا مگر گرے کی بڑی بڑی گھنٹیاں بجانے کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصے میں وہ سننے کی صلاحیت کھو

بیٹھا۔ اب وہ صرف Claude Frolo کے اشاروں کو سمجھتا تھا اور اس کی بے حد عزت کرتا تھا۔

اب تک ہم نے اس مضمون میں فرانسیسی ادب پارے میں موجود کبڑے اور اس پر گزرے لمحات میں معاشرے کے منفی رویوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہاں ہم فارسی ادب پارے میں موجود کبڑے کے کردار اور اس پر معاشرتی جبر اور قنوطیت کو بیان کرنے جارہے ہیں۔ ہدایت اپنے افسانہ داؤد گوژپشت (کبڑا داؤد) میں بھی بالکل اسی طرح کا کردار پیش کرتا ہے۔ مرکزی کردار داؤد نامی نوجوان ہے جو گوژپشت / کبڑا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہر کوئی اسے قوزی (کبڑا) کہتا ہے۔ اس کی معذوری کی وجہ سے اس کا مذاق اڑا کر اسے معاشرتی جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس کی شخصیت کا استحصال کیا جاتا ہے۔ افسانے میں کبڑے داؤد کی ظاہری شکل بھی کازی مودو جیسی دکھائی گئی ہے۔

"اس کا بڑا سا چہرہ اس کے ابھری ہوئے سینے میں اس کے کمزور جھکے ہوئے کندھوں کے درمیان ٹکا ہوا تھا۔ سامنے سے بہت زشت اور بد نما ہڈیوں کا سا ڈھانچہ نظر دیکھائی دیتا تھا، پتلے ٹیڑھے ہونٹ، تنگ محرابی ابرو، جھکی ہوئی پلکیں، پیلے اور ابھرے ہوئے ہڈی دار گال، غیر متناسب لمبے بازو، سر پر رکھی چوڑی ٹوپی، اپنے اوپر اختیار کی گئی ایک خاص قسم کی سنجیدگی اسے مزید مضحکہ خیز بنا رہی تھی

"-(۳۰)

صادق ہدایت کا طنز سماجی واقعات کی فکر مندی ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے کردار و عمل اور فعل سے پہچانتا ہے۔ اس کی تصانیف میں کردار کا تمسخر محض لوگوں کے درمیان معاشرے میں ان محروم کرداروں کے لیے احساس پیدا کرنا اور ان کے دکھ درد کو محسوس کرانے کی کوشش ہے (۳۱)۔ ایک دن غروب آفتاب کے قریب، وہ اپنے دکھوں کا بوجھ اپنے ساتھ لئے آہستہ آہستہ شہر کے مضافات میں چلتا ہے اور سوچتا کہ بچپن ہی سے ہر کوئی اس کا مذاق اڑا رہا ہے یہاں تک کہ کوئی بھی اس سے بات کرنے کو تیار نہیں اور وہ تنہائی اور یاسیت کا شکار ہے:

"بچپن میں وہ بچگانہ کھیلوں اور دیگر تمام چیزوں سے محروم تھا جو اس کے ساتھیوں کو میسر تھیں۔ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر وہ اپنے چہرے کو کتاب کے پیچھے چھپالیتا اور چپکے چپکے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ وہ دل لگا کر پڑھائی کرتا تھا تاکہ کم از کم تعلیم کے میدان میں دوسروں سے آگے بڑھ سکے۔ کچھ طالب علم ریاضی کے مسئلے حل کرنے اور دیگر کاموں کی بنیاد پر اس سے دوستی کر لیتے لیکن وہ خود جانتا تھا کہ ان کی دوستی جعلی اور وقتی ہے۔ صرف دو یا تین اساتذہ اس پر توجہ دیتے تھے لیکن یہ توجہ بھی اس کی محنت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی معذوری اور اس پر رحم کی وجہ سے تھی" (۳۲)

ہدایت ایک ناامید مصنف ہے اور وہ عالم ہستی کو ناامیدی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جہان مادی میں بدی اور زشتی کو دیکھتا ہے جس کی وجہ سے غمگین رہتا تھا۔ اس کی تمام تصانیف میں جوش و جنبش، حرکت و عمل اور مشکلات سے مقابلہ کرنے کی ہمت نظر نہیں آتی لیکن اس امر کو اس کا عیب نہ سمجھا جائے کیونکہ وہ جہان مادی کو اپنی خاص نگاہ سے دیکھتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ خصوصیت اس کو باقی مصنفین سے ممتاز کرتی ہے۔ (۳۳) اس افسانے میں بھی بنیادی کردار داؤد معاشرے کی بدسلوکی اور دھتکارنے کی وجہ سے مایوس ہو جاتا ہے اور اپنی پیدائش پر نالان اور اپنے والدین پر سراپا ماتم کنان ہے جنہوں نے اس عجیب الفطرت مخلوق کو پیدا کیا۔

"ایک بار تاریخ کے استاد نے کہا کہ اسپارٹا کے لوگ عجیب الفطرت مخلوق کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے ہیں، تمام طلباء نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، اس پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ لیکن اب اس کی خواہش تھی کہ یہ قانون دنیا میں ہر جگہ نافذ ہو جائے، یا کم از کم معذور لوگوں کی شادی پر پابندی عائد ہو۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب اس کے باپ کی غلطی ہے۔ اس کا باپ ایک معذور بوڑھا آدمی تھا جس نے ایک نوجوان عورت سے شادی کی تھی اور اس کے تمام بچے معذور اور عجیب الفطرت پیدا ہوئے۔" (۳۴)

ہدایت نے تنہائی پسندی کی وجہ سے ساری زندگی الگ تھلگ گزاری اور شادی نہیں کی۔ ہدایت تحریک مشروطیت کے دوران ملکی سیاسی ہرج و مرج اور حالت جنگ کی کیفیت میں پلا بڑھا جس کی وجہ سے اس کی اور اس کے عہد کے نوجوانوں کی خواہشات برآوردہ

نہیں ہو سکیں اور وہ بھی اپنے عہد کے باقی نوجوانوں کی طرح یاسیت اور نامیدی کا شکار ہو گیا۔ (۳۵) داؤد گوڑپشت افسانے میں بھی یاسیت اور تنہائی کرداروں کے رویوں سے جھلکتی ہے۔ اس افسانے میں داؤد سے بھی کوئی لڑکی شادی کرنے کو تیار نہیں تھی۔ دو تین دفعہ رشتہ بھجوا یا مگر اسے وقوزی (کبڑا) کہہ کر لڑکیوں نے اس کا مزاق اڑایا۔

”ایک لڑکی جس کا نام زیندہ تھا قریب ہی فیشر آباد میں رہتی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کئی بار دیکھا اور آپس میں بات بھی کی تھی۔ جب وہ شام کو اسکول سے گھر آتا تو اسے دیکھنے کے لیے، اسی جگہ پہنچ جاتا۔ ابھی اسے صرف اتنا یاد آیا تھا کہ اس کے زیر لب ایک تل تھا۔ بعد ازاں جب اس نے اپنی خالہ کے ہاتھ اس کے لیے رشتہ بھیجا، اسی لڑکی نے یہ کہہ اس کا مذاق اڑایا: ”کیا مردوں کا کوئی قحط پڑ گیا ہے جو میں کبڑے کی بیوی بنوں؟“ (۳۶)

داؤد اپنے اوپر گزرے واقعات کو یاد کرتے ہوئے شہر سے باہر نکل جاتا ہے جہاں اسے ایک کتا نظر آتا ہے جو بیمار پڑ گیا ہے۔

”پتھر سے ٹکرانے کی آواز پر لمبے بالوں والے سفید کتے نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا جیسے وہ بیمار ہے یا موت کے دہانے پر ہے۔ ایک عجیب سی سوچ اس کے ذہن میں آئی اس نے محسوس کیا کہ یہ پہلی سادہ اور معصوم نظر تھی جو اس پر پڑی ہے، وہ دونوں دکھی تھے اور کچرے کے ٹکڑے کی طرح انسانی معاشرے سے باہر پھینکے گئے تھے۔ اس نے کتے کو گلے سے لگا لیا۔“ (۳۷)

رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ندی کنارے بیٹھی ایک موٹے چشمے والی خوبصورت لڑکی پر پڑی۔ لڑکی جب داؤد کے قدموں کی آواز سنتی ہے، گمان کرتی ہے کہ اس کا منگیتر آگیا ہے اور بہت پیار بھری انداز میں اس سے مخاطب ہو کر پوچھتی ہے؛ ہوشنگ تم آگئے ہو؟ داؤد دل ہی دل میں خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی لڑکی نے اس سے اتنے محبت بھرے انداز میں بات نہیں کی تھی اور ایک مدت سے وہ کسی لڑکی سے ہمکلام بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ خوشی میں اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے گویا اسے اپنی زبان پر قابو نہ رہا تھا اور بولا:

”محترمہ، کیا آپ اکیلی ہیں؟ میں بھی اکیلا ہوں۔ میں ہمیشہ تنہا رہتا ہوں! میں ساری زندگی تنہا رہا ہوں۔ عورت نے اس کی طرف چہرہ پھیرا اور کہا: تم کون ہو؟ میں سمجھی ہو شنگ ہو کیونکہ جب بھی وہ آتا ہے میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ داؤد کو اس کے آخری جملے سے بوگھلاہٹ کا شکار کر دیا۔ اسے عورت سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اور بولا میرا نام داؤد ہے۔ عورت نے مسکرا کر جواب دیا: میں تمہیں دیکھ نہیں سکتی، میری آنکھیں میں چوٹ لگی ہے! اوہ: تم داؤد ہو؟ کبڑا داؤد؟ میں زبندہ ہوں۔ ایک لفظ کہے بغیر داؤد کے سر سے پاؤں تک لرزہ طاری ہو گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا جیسے کسی نے اس کے گلا دبوچ لیا ہو۔ وہ الفت و خیر بھاری قدموں کے ساتھ اسی راستے پر واپس چل پڑا اور اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہتا ہے: شاید ہو شنگ اس کا مغیتر ہے یا اس کا شوہر... کون جانتا ہے؟“ نہیں... کبھی نہیں... میں کبھی بھی اس کام کا پیچھا نہیں کروں گا۔“ (۳۸)

صادق ہدایت بہت حساس ہے اسے دنیا میں دکھ ہی دکھ نظر آتا ہے وہ تڑپتے انسانوں اور زمانے کے دھڑکارے ہوئے مایوس و نامراد غریبوں کو دیکھتا ہے اور اپنے دود مندل دل کو دکھایا کرتا ہے۔ اس نے اپنے تخیل کی ایک حسین بہشت تیار کی ہے لیکن جب وہاں تک رسائی نہیں ہوتی تو بے قرار ہو جاتا ہے کیونکہ اشرف مخلوقات کی صفات جو کتابوں میں ملتی ہیں حقیقی زندگی میں ان کا وجود ناپید ہے۔ اس کو ہمیشہ یہ غم لاحق رہتا تھا کہ وہ ایسے گنبدیدہ معاشرے کا حصہ ہے جس سے اس کی ذہنی اور فکری ہم آہنگی نہیں رکھتا۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں طبقاتی اختلافات، ریاکاری، جھوٹ، فریب اور چالپوسی اوج پر ہے۔ اسے کوئی حقیقی و معنوی شخصیت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے وہ ایسے معاشرے سے بیزار اور گریزاں ہے۔

بلاشبہ صادق ہدایت کا افسانہ وکٹر ہیوگو کے ناول کی تقلید میں لکھا گیا ہے لیکن صادق ہدایت کا افسانہ وکٹر ہیوگو کے ناول کے مقابلے میں انسانی ہمدردی اور صلہ رحمی کے جذبات سے بھرپور ہے۔ دونوں مصنفین نے قنوطیت، معاشرتی جبر، نفرت و حقارت اور معاشرے کے منفی رویوں کا برملا اظہار کیا ہے مگر ہدایت کے ہاں ان منفی احساسات کی ترجمانی زیادہ شدت سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وکٹر ہیوگو کا گھڑا ہوا کبڑے کا کردار قوت گویائی سے محروم ہے لہذا وہ اپنے خیالات اور احساسات کو بیان کرنے

کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ دونوں مصنفین مختلف دبستان ادب سے تعلق رکھتے تھے مگر ان دونوں ادب پاروں کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین فکری ہم آہنگی اور معاشرے کو باریک بینی سے دیکھنے کی صلاحیت مشترک ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ ظہور الدین احمد، ”ایرانی ادب“، اسلام آباد: ناشر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۲۶۶، ۲۶۷
- ۲۔ یحییٰ آریں پور، ”از نیاتاروز گارما“، تہران: انتشار زوار، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۲
- ۳۔ محمد جعفر یا حقی، ”چون سبوی تشہ“، تہران: انتشارات جامی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۹۸
- ۴۔ حسن عطائی راد، جلال قیاسی میر حسینی، ”مردا شیر“، تہران: نشر روزگار، ۲۰۰۱ء، ص ۳۶
- ۵۔ ایضاً، ص ۳۹
- ۶۔ ایضاً، ص ۱۲۳
- ۷۔ ایضاً، ص ۳۱۹
- ۸۔ حسن عطائی راد، جلال قیاسی میر حسینی، ”مردا شیر“، ۱۲۸
- ۹۔ ایضاً، ص ۵۰
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۵۱
- ۱۱۔ حسن عطائی راد، جلال قیاسی میر حسینی، ”مردا شیر“، ص ۵۴
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۵۸
- ۱۳۔ محمد جعفر یا حقی، ”چون سبوی تشہ“، ص ۳۵۹، ۳۶۰

۱۴. Alain Rey, « Le Petit Robert des noms propres », Paris : Dictionnaires le Robert, 2003, p. 988.

۱۵. Ibid.

۱۶. Ibid.

۱۷. Ibid.

۱۸. Ibid.

۱۹. Ibid.

۲۰.

<https://www.notredamedeparis.fr/decouvrir/histoire/les-grands-evenements/>

۲۱ Jean Maurel, Introduction, « Notre Dame de Paris », Paris : Librairie Générale Française, 1972, pp. V-XXXVI.

۲۲۔ وکٹر ہیوگو، کبڑا عاشق (ناول)، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص ۵

۲۳ Victor Hugo, « Notre Dame de Paris », Paris : Librairie Générale Française, 1972, p. 59.

۲۴. As above

۲۵. As above, p 177

۲۶۔ وکٹر ہیوگو، ”کبڑا عاشق (ناول)“، ص ۳۶

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۷

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۳۰۔ صادق ہدایت، ”زندہ بگور“، تہران: انتشارات امیرکبیر، ۱۹۶۳ء، ص ۵۳۔

۳۱۔ حسن عطائی راد، جلال قیاسی میر حسینی، ”مردا شیر“، ص ۳۲۵

۳۲۔ صادق ہدایت، ”زندہ بگور“، ص ۵۵

۳۳۔ حسن عطائی راد، جلال قیاسی میر حسینی، ”مردا شیر“، ص ۱۲۸

۳۴۔ صادق ہدایت، ”زندہ بگور“، ص ۵۴

۳۵۔ محمد ابراہیم شریعتمداری، ”صادق و روان کاوی آثارش“، تہران: بلی نا، ۱۹۶۴ء، ص

۴۸

۳۶۔ صادق ہدایت، ”زندہ بگور“، ص ۵۶

۳۷۔ ایضاً، ص ۵۶، ۵۷

۳۸۔ ایضاً، ص ۵۹